ناولٹ



ڈریم آرٹسٹ

سمیرا حمید

وہ قدِ آدم کھڑکی کے پاس کھڑی باہر سوگ کی طرح پھیلے اندھیرے کو کھوج رہی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اندھیرا اس کے اندر سے نکل کر چار سو پھیل گیا ہو۔

اس نے کھڑکی کے شیشے پر اپنے گال ٹکا دیے...... رات کا دوسرا پہر تھا ...... شانزے سو چکی تھی۔ لیکن وہ اسے جگا گئی۔ اس کی بیٹی جو اس کی زندگی کو اس موڑ پر لے آئی ہے۔ اب سو چکی تھی اور وہ خواب جاگ رہی ہے...... وہ جو بین الاقوامی

شہرت کی حامل ایک کامیاب اداکارہ تھی اب صرف ایک عورت بنی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے شیشے کے پار بہت کچھ تلاش کرتے اسے اب احمد یاد آرہا تھا۔

''کیا وہ بھی احمد سے محبت کرتی تھی؟''

اسے یاد کرنے سے بھی کوئی یادداشت نہ ملی جس میں وہ بھی بنی رنگین تتلی کے مانند اس کے گرد رقصاں ہوئی ہو...... اسے یاد کیوں نہیں آرہا...... اسے احمد ہی کیوں یاد آرہا ہے۔ اسے اس کی محبت اب کیوں یاد آرہی ہے...... وہ جا چکا تھا اور اس نے خود ہی اسے جانے دیا تھا...... پھر......؟

کچھ لوگوں کو تا عمر یہ اندازہ نہیں ہو پاتا کہ وہ کس خزانے کے مالک ہیں...... بن گئے ہیں اور بنے رہنے والے ہیں...... ''محبت کے خزانے''... جس کی چاکری کرنی پڑتی ہے نہ تشویش...... یہ اُن ہی کا تو ہے اور وہ خود اس خزانے کی حقیقت سے انجان...... اسے وقت کے ہاتھوں کوڑیوں کے بھاؤ بیچ دیتے ہیں...... اور پھر بھی انجان بنے پھرتے ہیں...... بدقسمت لوگ...... وہ اس سے محبت کرتا تھا اور وہ اس سے شادی کر چکی تھی۔

☆☆☆

اسے وہ وقت یاد آرہا ہے جب وہ محبت کا سوال لے کر اس کے پاس آیا تھا اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

''کیا آپ میرے ساتھ ایک کپ چائے پئیں گی؟'' وہ بڑا مؤدب بنا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''سوری...... میں......'' وہ بہ مشکل مسکرا کر کہنے لگی...... وہ پروڈکشن ہاؤس کسی کام سے آئی تھی، دس، پندرہ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگا تھا اسے...... اور وہ اس کی کار کے پاس کھڑا تھا۔

''پلیز...... انکار مت کیجیے گا۔''

''مجھے انکار کرنا ہی ہے کیونکہ میں بہت جلدی میں ہوں۔''

''میں نے پورے دو سال اس ایک کپ چائے کا انتظار کیا ہے۔''

''دو سال......؟'' وہ حیران ہوئی۔

''میرا یقین کریں۔''

''میں یقین کرتی ہوں...... لیکن میں......''

''صرف دس منٹ لگیں گے یا پندرہ اس سے زیادہ نہیں...... اسی سڑک کے کنارے پر کافی شاپ ہے۔''

''میرے پاس بہ مشکل پانچ منٹ ہیں۔''

''چائے یا کافی آنے کے بعد کے صرف پانچ منٹ...... پلیز......'' اس نے گھڑی دیکھی پھر اسے دیکھا۔

''چلیں...... میں اپنی کار میں آپ کو فالو کرتی ہوں۔''

''میرے پاس موٹر سائیکل ہے...... کیا ہم واک کر کے جا سکتے ہیں؟''

''نہیں میرے پاس وقت......''

''دیکھیے ہلکی، ہلکی ہوا چل رہی ہے، فٹ پاتھ پر درختوں کے سائے کتنے بھلے لگ رہے ہیں۔ واک کرنا تو ایک خواب جیسا ہوگا۔'' وہ مسکرا اٹھی اور آگے چلنے لگی۔

چائے آگئی اور اس نے جلدی سے سپ لیا۔

''میرے پانچ منٹ شروع ہوتے ہیں، کیا میں آپ سے بات کر سکتا ہوں۔''

''آپ بات ہی کر رہے ہیں۔''

''نہیں، وہ بات جس کے لیے میں نے اتنا انتظار کیا ہے۔'' وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی، مطلب تھا ''تم بولتے رہو۔''

''میں آپ سے سوال کروں......؟ یا جواب لوں مجھے تو سمجھ نہیں آرہی۔ اظہار کروں یا اپنا حالِ دل بیان کروں۔''

اس کے چہرے پر ناگواری نظر آنے لگی۔ ظاہر ہے اس نے بہت بار ایسے ڈرامے دیکھے سنے

تھے۔ احمد اس پر نظر پڑتے ہی جان گیا کہ وہ بہ مشکل ہی اب یہاں تک کر بیٹھی رہے گی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو گود میں رکھ لیا جیسے ننھا سا بچہ سہم گیا ہو۔

"مجھ سے شادی کریں گی؟" ننھا بچہ رو دینے کو ہوا۔

"نہیں......" اس نے ایسے کہا جیسے ٹافی نہیں ملے گی باہر جا کر کھیلو...... اس نے آرام سے چائے کی ایک آخری چسکی لی۔

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے سوال بدل دیا۔

"میں جا رہی ہوں، چائے کے لیے شکریہ......!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپ سے محبت کرتا ہوں...... آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اب آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

دو قدم آگے ہو چکی ماہ زیب نے یک دم رک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کی شکل "ہونہہ" سی ہو گئی۔

"اچھا" اس نے طنز کے بھی رنگ گھول کر محلول اس کی طرف اچھالا۔

"آپ میری سچائی کو آزما سکتی ہیں۔" اس کا رنگ فق سا ہو گیا۔

اس بار ماہ زیب نے اچھا کہنا بھی گوارا نہیں کیا اور تیزی سے آگے چلنے لگی۔

"ایک بار میری پوری بات تو سن لیں۔" وہ اس کے پیچھے آیا اور بہت تیزی سے کہا۔

"تمہاری بات بھی سن لی ہے اور تمہارے پانچ منٹ بھی ہو چکے ہیں...... اب جاؤ......" وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئی...... وہ ایسے اس کے پیچھے لپکا جیسے سامنے ہی دو قدم دور ملک الموت اس کی روح نکالے لیے جا رہا ہو...... وہ اپنی جان بچانے کو اس کے پیچھے لپکا۔

"میں آپ سے محبت کرتا ہوں...... یہ مذاق نہیں ہے۔ یہ صرف الفاظ نہیں ہیں......" لمبے درختوں کے سائے سے ڈھکے فٹ پاتھ پر وہ اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کرنے لگا...... وہ "ہونہہ" کی شکل بنائے تیز، تیز قدم اٹھاتی رہی...... وہ خوب صورت تھی۔ ملک کی مشہور اداکارہ تھی، ہزاروں بار اسے کہا جاتا تھا کہ "میں آپ کا بڑا فین ہوں۔ آپ سے محبت کرتا ہوں، آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔" شادی کے بارے میں بھی لوگ ڈھکے چھپے انداز سے کہہ ہی دیتے تھے...... لیکن ایسے اس طرح پیچھے پڑ کر...... ایسے ساتھ ساتھ بھاگ کر......

"مجھے پتا نہیں چلا، مجھے آپ سے محبت کب اور کیسے ہو گئی لیکن ہو گئی...... میں نے اداکارہ سے محبت نہیں کی...... میں آپ کا فین نہیں ہوں میں۔ ماہ زیب کا مداح ہوں...... مجھ پر آپ نے اِک جادو کر دیا ہے۔ اور میں اس میں خوش ہوں...... آپ مجھ میں حلول کر گئی ہیں۔ پہلے مجھے ڈر تھا کہ آپ کے بغیر مر جاؤں گا مگر اب یقین ہو چکا ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ محبت ایسے کیسے ہونے لگتی ہے...... کیسے چھپ کر وار کرتی ہے تو میں اپنا بچاؤ کر لیتا...... لیکن اب تو......" ماہ زیب کی خوب صورت سینڈل کی ہیل تک، تک فٹ پاتھ کے فرش سے اٹھ کر سارے میں پھیل رہی تھی...... احمد کی پی پی...... پیا پیا کی صدا صدیوں پیاسے صحرا کی پکار کے مانند تھی۔

ماہ زیب کی رفتار اور تیز ہو گئی اس نے اپنے ہاتھ کو اسے چانٹا مارنے سے روکا...... "میرے لیے آپ اداکارہ نہیں ہیں...... مجھے آپ کی شہرت سے بھی غرض نہیں ہے۔ صرف ایک بار میرے بارے میں سوچ لیں...... مجھے خود پر ہنسی آتی تھی جب میں یہ سوچتا تھا کہ کبھی آپ سے یہ سب کہہ سکوں گا...... پھر میں رونے لگا...... اور روتا ہی رہتا اگر نہ کہتا......"

ماہ زیب اپنی کار تک پہنچ چکی تھی۔

"پلیز ماہ زیب! میری بات سن لیں...... پوری بات......"

"اگر اس پروڈکشن ہاؤس میں اپنی نوکری بحال رکھنا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔"

"صرف ایک بار میری بات سن لیں۔"

"تم صرف ایک بار میرے انکار پر یقین کرلو۔" احمد نے ڈرائیونگ سیٹ کے ڈور کو لجاجت سے پکڑ لیا۔

"میں جانتا ہوں، میرا رتبہ آپ کے مقابلے میں کیا ہے...... میں رتبے میں بہت چھوٹا ہوں...... لیکن اگر میری محبت کا مقابلہ کیا جائے تو وہ ہر میدان کی فاتح ہوگی...... آپ کے لیے اس محبت کا بہت بڑا رتبہ ہے۔"

ماہ زیب خاموش اسے دیکھے گئی...... اگر وہ جھوٹا تھا تو وہ کمال کا سچا لگ رہا تھا اگر وہ اداکار تھا تو آسکر ایوارڈ اس کا تھا۔

"زندگی میں آپ کو وہ تو ضرور ملے گا جو آپ کے ساتھ رہے گا لیکن وہ نہیں ملے گا، جو آپ کے بغیر نہ رہ سکے اور وہ...... وہ میں ہوں۔"

"پاگل ہو تم......" ماہ زیب نے اس کے ہاتھ کی گرفت سے دروازہ آزاد کروانا چاہا۔

"اگر یہ پاگل پن ہے تو میں اس پاگل پن سے خوش ہوں...... میرے علاوہ کوئی اور کہاں آپ کا خیال رکھ سکے گا...... کبھی تو وہ آپ سے ناراض ہوگا...... غصہ کرے گا...... لڑے گا...... آپ کو برا ثابت کرے گا...... کبھی تو وہ خود کو آپ سے برتر ثابت کرے گا...... کبھی تو وہ آپ کو کمتر کرے گا...... وہ آپ کو دیکھے گا اور خوش ہوگا...... نہ دیکھنے پر نا خوش نہ ہوگا...... کبھی نہ کبھی تو وہ آپ کو یاد کرنا بھول ہی جائے گا...... مگر ماہ زیب میں نہیں...... میں بھولوں گا تو یاد کروں گا ناں...... ماہ زیب کوئی آپ کو اپنی دنیا میں شامل کرے گا...... اس کے پاس بڑا سا گھر ہوگا...... بہت ساری کاریں ہوں گی۔ مگر میں آپ سے صرف آپ سے اپنی دنیا سجاؤں گا...... میری ساری دنیا آپ ہی رہیں گی، کسی اور کے ساتھ آپ میں اور تم ہوں گی...... لیکن ماہ زیب میں آپ ہی آپ ہوں...... میں ختم ہو چکا ہوں۔ میں آپ ہو چکا ہوں۔" اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"میں آپ ہو چکا ہوں...... میں آپ ہو چکا ہوں۔" یہ صدا دور آسمان تک گئی...... اور بہت قدیم...... قبروں میں مدفن سچے عاشقوں تک بھی...... اور جیسے سب نے سر ہلایا اور کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک کہتا ہے...... ایسا ہی ہوتا ہے۔"

اس نے دروازے پر اپنی مضبوط گرفت کو چھوڑ دیا...... ماہ زیب کا جی چاہا اس کی شاندار پرفارمنس پر تالیاں بجائے...... لیکن اس نے تالیاں نہ بجائیں...... احمد کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا وہ اس کے خوب صورت چہرے کو نہیں دیکھ رہا تھا وہ اس خوب صورت چہرے کے دور اندر دیکھ رہا تھا۔ ماہ زیب نے سست روی سے دروازہ بند کیا...... دور اندر کہیں ایک جذبہ ابھرا کہ وہ ایسی ہی چند اور شاندار باتیں کرے...... ایک عورت نے چاہا کہ اسے اور بتایا جائے کہ اسے کیسے، کیسے چاہا جا سکتا ہے۔ اسے بتایا جائے کہ اسے کیسے پوجا جانا چاہیے...... اس کی اپنی مداح سرائی پر الفاظ کس بلندی تک پہنچ کر فضا میں بکھر سکتے ہیں...... اسے بتایا جائے کہ وہ کس قدر محبت کے لائق ہے...... اتنی ہی ناں کہ اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا جائے اور اپنا سب کچھ نچھاور کیا جاتا رہے...... یہ بھی کم ہے۔

کار آگے جا رہی تھی...... احمد پیچھے رہ گیا تھا...... وہ وہاں ایسے کھڑا تھا جیسے آسمان سے ایک آگ کے گولے نے اسے آلیا اور زمین اسے پیچھے بہت پیچھے کھینچتی ہو اور اب وہ نہ زندوں میں رہا نہ

مُردوں میں...... ماہ زیب نے اسے بیک ویو مرر میں دیکھا...... وہ پریم سنگیت کے آخری دم توڑتے بولوں کی طرح! استادہ لیکن بکھرا کھڑا تھا۔

اس طرح کے ہونے والے واقعات کو وہ اکثر اپنی فرینڈز کو مزے لے، لے کر سنا دیا کرتی تھی لیکن اس واقعے کو نہ سنا سکی...... چند راتیں سونے سے پہلے یہ منظر اس کی آنکھوں میں ضرور در آتا...... کانوں میں ترنم جاگ اٹھتا...... وہ اپنی پوجا کروانے لگتی...... شانت سی ہو جاتی...... اگر وہ رتبے میں اتنی اونچائی پر نہ ہوتی تو شاید...... اس پریم داس کے قدموں میں جا بیٹھتی...... پر دیوی سنگھاسن نہیں چھوڑا کرتی...... دیویاں داسی نہیں بنا کرتیں......

"دیوی، ماہ زیب اپنے سنگھاسن پر ہی بیٹھی رہی۔"

"وہ پریم داسی نہ بنی۔"

☆☆☆

وہ ماسٹرز کر رہی تھی جب دوران دھار محبت کے بعد اس نے حارب سے شادی کر لی...... اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر وہ امریکا چلی گئی۔ کالج کے زمانے سے وہ ماڈلنگ اور اداکاری کرتی رہی تھی بہت مشہور نہیں لیکن اس کا ایک نام ضرور تھا...... اس نے اپنے کیریئر کو حارب کے لیے خیر باد کہہ دیا...... چند ایک پراجیکٹس امریکا سے کیے لیکن باقاعدہ کام نہیں کیا...... حارب کے ساتھ اس نے ایک مکمل گھریلو... زندگی گزاری...... وہ گھر کے کام کرتی، کھانا پکاتی...... شانزے کو سنبھالتی اور حارب کا ہر طرح سے خیال رکھتی...... اس کی یہی زندگی تھی اور اسے یہی زندگی بہت پیاری تھی...... اور اس پیاری زندگی پر ماتمی سیاہی پھر گئی۔ جب نیویارک جاتے ہوئے حارب کار ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گیا۔ شادی کے پانچ سال کے بعد وہ بیوہ ہو گئی...... اس کے والدین اسے پاکستان واپس لے آئے۔ حارب کا سوگ اس نے جی جان لگا کر منایا خود کو ختم ہی کر ڈالا...... چند سال لگے اسے نارمل ہونے میں...... اور پھر وہ خود کو مصروف رکھنے کے لیے اداکاری کرنے لگی...... اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی مشہور اداکارہ بن گئی۔

بہت سے لوگ اسے شادی کے لیے اپروچ کرتے تھے لیکن ابھی وہ چند اور سال شادی نہیں کرنا چاہتی تھی...... شادی اسے کرنی تھی...... لیکن کب اس کا اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا...... اس کے گھر والے اس کے لیے آئے دن کوئی نہ کوئی پروپوزل فائنل کرتے اور وہ کسی نہ کسی بہانے ٹالتی رہتی...... شانزے بارہ سال کی ہو گئی تو اسے سنجیدگی سے شادی کے لیے کہا گیا اور اس نے زمان کو اوکے کر دیا...... وہ خوب صورت تھا...... بزنس مین تھا...... کینیڈا میں رہتا تھا...... اس کے پاپا کے دوست کا بیٹا تھا...... اس نے خود ماہ زیب سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی بلکہ ایک سال سے زیادہ اس کا انتظار بھی کیا تھا، وہ کسی بھی لڑکی سے شادی کر سکتا تھا لیکن وہ ایک بیوہ اور بارہ سالہ بچی کی ماں سے کر رہا تھا۔ اس کی بہنوں نے کہا وہ بہت خوش قسمت ہے، اس کے گھر والے بہت خوش تھے، وہ بھی خوش تھی اور شانزے بھی...... اس کے نانا، نانی نے اسے ایسے منایا تھا کہ وہ زمان کو اپنی ماں سے زیادہ پسند کرنے لگی تھی۔

دونوں کی منگنی ہو گئی...... شادی کینیڈا میں ہونی تھی اس لیے تھوڑا وقت درکار تھا...... کچھ ماہ زیب کے اپنے پراجیکٹس تھے۔

زمان مہینے میں دو بار آنے لگا...... پھر تین بار...... پھر لگتا کہ وہ جاتا بھی نہیں ہے کہ آ جاتا ہے...... اس سے زیادہ وقت وہ کینیڈا سے ماہ زیب کو فون کرنے میں لگاتا...... جب وہ آتا تو ماہ زیب شوٹنگ کینسل کروا دیتی۔ وہ زیادہ آنے لگا تو وہ بار

بار یہ بھی نہ کرسکی...... اس کے لیے مشکل ہوگیا کہ وہ اس کی فون کالز سنے...... وہ آئے تو اسے وقت دے۔ شروع میں سب ٹھیک رہا پھر وہ چڑنے لگا...... وہ سیٹ پر بہ مشکل اس سے آدھے گھنٹے بات کرپاتی...... خدا حافظ کہتی تو وہ خفا ہو جاتا۔

''مجھے کام کرنا ہے زمان...... سیٹ پر میرے لیے اتنا انتظار نہیں کیا جاسکتا......''

''میں بھی کام کرتا ہوں...... میرا بزنس بھی ڈسٹرب ہو رہا ہے۔''

''پھر تمہیں اپنے بزنس پر توجہ دینی چاہیے۔''

''تمہیں میرا فون کرنا پسند نہیں......؟''

''میں نے یہ نہیں کہا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فون کھٹک سے بند۔

وہ بات، بات پر خفا ہونے لگا۔ وہ فارغ ہوتی تو اسے فون کر کے مناتی۔ اسے یہ شکوہ بھی ہوتا کہ اتنی دیر سے فون کر کے کیوں منایا پھر وہ اس کے کام کا مذاق اڑانے لگا۔

''کیا دو پیسوں کے لیے خوار ہوتی ہو۔''

''پیسوں کی مجھے کبھی کمی نہیں رہی۔ کام میرا شوق ہے۔''

''فضول شوق ہے، اداکاری بھی بھلا کوئی کام ہے۔''

''دنیا میں لاکھوں لوگ اداکاری کرتے ہیں۔''

''ان لاکھوں لوگوں میں سے چند ایک کے نام ہی دنیا جانتی ہے۔ تمہارا نام کہاں ہے؟''

''میرا نام میرے ملک میں ہے۔''

تمہارا ملک...... تیسری دنیا کا تیسرے درجے کا ملک......''

''کیا تمہیں معلوم ہے۔ تیسرے درجے کے اس ملک میں پہلے درجے کے لوگ رہتے ہیں۔''

''ہاہاہا......'' وہ دیر تک ہنستا رہا۔

وہ دیر تک اس سے خفا رہی۔

ایک بار وہ اچانک آیا تو وہ سرے سے اسے مل ہی نہیں سکی وہ کسی چھوٹے سے دور دراز گاؤں گئی ہوئی تھی، ماہ زیب نے کہا بھی کہ وہ اسے وہاں آ کر مل جائے لیکن وہ اتنا خفا ہو کر گیا کہ پورا ایک ہفتہ اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھا۔

ماہ زیب اپنی بہنوں سے کہتی کہ اسے لگتا ہے کہ اس نے کسی بچے سے منگنی کر لی ہے۔ اس کی بہنیں ہنستیں اور پھر کہتیں۔

''تم بہت خوش قسمت ہو...... وہ بہت امیر ہے۔''

''پر امیر ہونے کے علاوہ اس میں جو بھی خوبیاں ہیں وہ کم و بیش کسی بھی دوسرے مرد میں ہو سکتی ہیں...... بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ......''

''نہیں...... صرف خوبیاں معاشرے میں آپ کا گراف اوپر نہیں کرتیں۔'' یہ جویریہ تھی...... اس کی بڑی بہن...... جس نے قریب، قریب ایک بڈھے سے شادی کر لی تھی صرف اس لیے کہ وہ شہر کے چند گنے چنے امرا میں سے ایک تھا۔

☆☆☆

ایک رات وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ہنسنے لگی۔ اس کی منگنی کی خبر اخبارات میں آئی تھی یقیناً احمد نے بھی پڑھی ہوگی...... پھر ایک رات وہ بے قراری سے اٹھ کر ٹہلنے لگی...... اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس کے اندر کیا جل اٹھا ہے جو بجھ نہیں رہا۔

کس تنے کی جڑ اندر ہی اندر پھیلتی جا رہی ہے...... اور پھر اس نے سوچا کہ اگر اس معمولی سے شخص کی جگہ کوئی با اثر امیر، کیپر ہیرو ٹائپ کوئی انسان ہوتا تو وہ کیسا ردعمل ظاہر کرتی۔

''اُف تم کس قدر خوش قسمت ہو۔'' جویریہ کہتی۔

''اُف فلمی سچویشن...... یہ سب تمہاری ہی محبت

میں کیوں گرفتار ہوتے ہیں ماہ زیب..... کیا چھپا رکھا ہے تم نے اپنے اندر کہ سب دوڑے آتے ہیں تمہاری طرف۔" دوسری بہن سویرا کہتی۔ اس نے ایمانداری سے نتیجہ نکالا کہ اس مداح کا معمولی ہونا اسے بے وقعت کر گیا ورنہ..... ورنہ..... وہ رگوں میں حلول کرتا..... روح تک پہنچ جانے والوں میں تھا۔ دس منٹ کی ملاقات میں اس نے غضب کردیا۔ ساری زندگی کے ساتھ میں تو وہ حیران کردے گا۔

☆☆☆

ماہ زیب اور زمان کی شادی کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ ماہ زیب جلدی، جلدی اپنا کام مکمل کروانے لگی---- زمان آیا اس دوران دونوں کو ڈنر کرنا تھا اور وہ پوری کوشش کے باوجود ہوٹل دیر سے آئی تھی اور زمان غصہ ضبط کیے بیٹھا تھا---- ڈنر کے دوران ہی اس نے اسے نرمی سے آگاہ کیا کہ وہ سنگاپور.... کمرشل کی شوٹنگ کے لیے جارہی ہے۔

"کب جانا ہے؟" اس نے بیچ کو تقریباً بھینچ کر پوچھا۔

"کل....."

"لیکن کل ہی تو میں آیا ہوں..... اور کل تم جارہی ہو۔"

"مجھے بھی رات ہی بتایا گیا ہے---- صرف دو دن کا کام ہے۔"

"دو دن کا ہو یا دو گھنٹے کا چھوڑ دو۔"

"صائم نے مجھے اس ایڈ کے لیے چھ ماہ پہلے سائن کیا تھا..... میں عین وقت پر انکار نہیں کرسکتی..... صائم سے میرے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ کمپنی نے مجھے بتادیا تھا کہ کچھ تھری ڈی افیکٹس کی وجہ سے کمرشل لیٹ ہوجائے گا۔ انہوں نے مجھے منہ مانگا معاوضہ دیا ہے۔"

"وہ معاوضہ تم مجھ سے لے لو۔"

"بات پیسے کی ہے ہی نہیں صرف..... میری ساکھ۔"

"تو بات کس کی ہے..... صائم کی؟"

"صائم صرف کولیگ ہے۔"

"اور میں.....؟"

"تمہاری بات کہاں سے آگئی؟"

"میری ہی تو بات آئی ہے..... میں جب بھی آتا ہوں تم سو نخرے کرتی ہو۔"

"نخرے..... کون سے نخرے.....؟"

"تم مجھے بار، بار یہ جتاتی ہو کہ میرے لیے تم اپنا کام چھوڑ کر آئیں، شوٹنگ کینسل کروائی۔"

"کیا تم مجھے نہیں کہتے کہ تم اپنا بزنس، اپنی اہم بزنس میٹنگز چھوڑ کر آئے ہو؟"

"اوہ کم آن ماہ زیب---- مذاق مت کرو..... میرا کروڑوں کا بزنس ہے۔ یورپ کے دس ملکوں میں لیڈ کرتا ہے میرا بزنس..... اسے اپنی گھٹیا شوٹنگ سے مت ملاؤ۔" اس کی آواز کرخت ہوگئی۔

"دنیا کے بیس ملکوں میں میرے ڈرامے....."

"ہونہہ تمہارے ڈرامے..... پاپا ٹھیک کہہ رہے تھے کہ شوبز کے لوگوں سے دور رہو..... یہ زیرو ہو کر بھی خود کو ہیرو سمجھتے ہیں۔"

"کون ہے زیرو.....؟"

"تم خود سمجھدار ہو..... میں تمہارے لیے کینیڈا سے آتا ہوں..... اور تم ان فضولیات کے لیے مجھ سے بہانے بناتی ہو..... تمہیں کیا لگتا ہے ماہ زیب، بھلا تم ہو کون.....؟"

"میں ماہ زیب ہوں....." اس نے اطمینان سے ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا..... آس پاس کے چند لوگ اس کی تیز آواز کی وجہ سے ان دونوں کی طرف متوجہ تھے۔

"تو مس ماہ زیب یہ جو آپ چند لاکھ کے ڈراموں میں کام کر کے سمجھتی ہیں کہ دنیا کی شوبز

انڈسٹری آپ کے ہی دم قدم سے قائم ہے تو وقت نکال کر اپنی غلط فہمی دور کرلیں.....تم مجھے اس سب سے متاثر نہیں کرسکتیں۔"

"میں نے یہ غلط فہمی پالی ہی نہیں تھی۔ ہاں یہ خوش فہمی ضرور رہی ہے کہ تم آگے بڑھنے میں میرا ساتھ دوگے..... تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں تھا میرے کام کرنے پر......"

"اعتراض نہیں تھا جب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ آف کیمرا بھی تم ایک "ہیروئن" ہی ہو۔"

"میں اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہوں..... مجھے ایڈ کے لیے جانا ہے یا نہیں..... اس کا فیصلہ صرف مجھے کرنا ہے..... مجھے یاد ہے اچھی طرح سے کہ میں نے تمہارے ساتھ منگنی کی ہے، ڈیل نہیں کہ جو تم کہو گے میں وہی کروں گی..... ویسے تم نے مجھ سے منگنی کی کیوں..... تم نے کہا تھا کہ تم مجھے بہت پسند کرتے ہو؟"

"اور میری پسند کی کوئی ویلیو نہیں ہے تمہارے نزدیک؟"

"ویلیو نہ ہوتی تو منگنی نہ کرتی۔"

"تمہیں تو احسان مند ہونا چاہیے میرا..... تم بیوہ ہو..... تمہاری بارہ سال کی ایک بیٹی ہے..... اور میں سنگل کامیاب بزنس مین..... پاکستان میں تو تمہیں طلاق یافتہ ملتے یا رنڈوے....." اس کا انداز بدترین ہوگیا۔

"یہ عورت ابھی بیوہ نہیں ہوئی ہے۔ جس وقت تم مجھے رنگ پہنا رہے تھے اور خاص کر اس وقت جس وقت تم مجھے کہہ رہے تھے کہ میں تمہاری زندگی کو مکمل کروں گی..... یہ عورت تب بھی بیوہ ہی تھی۔ اداکارہ تھی، بارہ سالہ بیٹی کی ماں تھی، تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو، اب کیا ہوا؟"

"محبت کرتا ہوں، پاگل نہیں ہوں میں کہ یہ سب برداشت کرتا رہوں۔"

"کیا محبت پاگل پن کا نام نہیں؟"

"جس طرح کی حرکتیں تم کررہی ہو انہیں برداشت کرنا پاگل پن ہے۔"

اس کا وجود....... ڈنر ٹیبل کی کرسی پر بیٹھا شائیں، شائیں کرنے لگا۔ ماہ زیب نے آنکھ اٹھا کر دیکھا.....اور غضب ہوگیا..... وہ فائیو اسٹار ہوٹل کے ہال میں ہر طرف استادہ تھا..... ماہ زیب کو..... جھرجھری نے آلیا۔

"تم مجھے ابھی سے طعنے دینے لگے ہو.....ابھی سے تمہاری برداشت کی حد ختم ہوگئی ہے۔ میری تذلیل کرنے لگے ہو، ایک انگوٹھی پہنا کر تم مجھ پر حکمرانی کرنے لگے ہو۔"

"حقیقت یہی ہے، تم سوچ لینا، تمہیں میں چاہیے اور یا.....؟"

"تم کون ہو.....؟" ماہ زیب نے بہت نرمی سے پوچھا۔ زمان گنگ رہ گیا۔

"بولو تم ہو کون..... پیسے کے علاوہ تمہارے پاس کیا ہے؟"

"شٹ اپ.....!" اس شٹ اپ نے جیسے کوئی مہر لگادی۔ ماہ زیب کئی لمحے اسے دیکھے گئی۔

"میں ایک عورت ہوں زمان، میرے پاس دنیا کی ہر چیز ہے اب مجھے مزید چیزیں تو نہیں چاہیے ہوں گی ناں..... اور تمہارے پاس صرف چیزیں ہیں.....تم میرے کسی کام کے نہیں ہو..... مجھے ابھی، ابھی اسی وقت یہ ادراک ہوا ہے کہ مجھے وہ انسان چاہیے جو ماہ زیب کو جانے، ماہ زیب کو سمجھے، جو کم از کم میرے لیے ایک وقت کا کھانا چھوڑ سکے، نہ کہ میری توہین کرے اور مجھے غلط اور جھوٹا ثابت کرتا پھرے۔" اس نے انگلی سے انگوٹھی اتار کر میز پر رکھی۔

"ابھی تم مجھے اتنے پیارے نہیں ہوئے کہ

تمہارے لیے میں اتنا سب کچھ برداشت کروں...ہاں ابھی اتنے پیارے نہیں ہوئے۔"

"اچھا تو کون پیارا ہے تمہیں......صائم؟"

"کون، کون، کون....." اس کون کی گونج فضا میں بکھری ماہ زیب جیسے ایک دم سے تیز روشنی کا شکار ہوئی۔ پھپھو نے پی پی کی لمبی تان کھینچی...... کسی کی باتیں یاد آئیں۔

"کبھی تو وہ آپ سے ناراض ہوگا...... آپ کو برا ثابت کرے گا، کبھی تو وہ آپ کو یاد کرنا بھول ہی جائے گا۔"

زمان غصے سے اٹھ کر جا رہا تھا۔ انگوٹھی اٹھا کر اس نے غصے سے دور پھینک دی تھی، محبت کی نشانی خاک نشین ہو چکی تھی۔ وہ زمان کی پشت کو گھور رہی تھی۔

"کسی اور کے ساتھ آپ" "میں اور تم" ہوں گی لیکن ماہ زیب میں آپ ہی آپ ہوں...... میں ختم ہو چکا ہوں...... میں آپ ہو چکا ہوں۔" وہ لرزی پری جا مد بیٹھی تھی۔ اٹھ کر جا ہی نہیں سکی تھی۔

"میں آپ ہو چکا ہوں......" اب وہ پروڈکشن ہاؤس فون کر کے اس کے متعلق جان رہی تھی۔

☆☆☆

وہ اس گھر کی لوکل آبادی سے ذرا دور سڑک پر کار کو پارک کیے کھڑی تھی۔ فون کر کے اس نے اسے وہاں آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ کار کی پشت سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ وہ اس کے پاس آیا تو بری طرح ہانپ رہا تھا۔ ماہ زیب نے اسے دیکھا تو دنگ سی رہ گئی وہ کسی موذی بیماری کا مریض نظر آ رہا تھا۔

"تم بیمار ہو......؟" ماہ زیب کی آواز تیز ہوگئی۔

وہ خاموش رہا۔

"کیا جواب نہیں؟"

اس نے نظریں اٹھا کر ماہ زیب کو دیکھا......

اور ماہ زیب سمجھ گئی۔ وہ ماہ زیب کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اب اس کی سانس بحال ہوئی ہو.... اب اس کی بینائی نے کام کرنا شروع کیا ہو...... زندگی اس کی شریانوں میں اب دوڑی ہو۔

''تم جانتے ہو میں یہاں کیوں آئی ہوں؟''

''نہیں......''

''اس پوری دنیا میں جس پہلے اور آخری مرد کو میں آزمانا چاہتی ہوں وہ تم ہو.... اب وہ تم ہو۔''

''وہ میں ہوں؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں تم سے محبت نہیں کرتی، چلے گا....''

''چلے گا....'' وہ مسکرانے لگا۔

''ہوسکتا ہے میں صرف تمہیں پسند کروں...... صرف پسند...... چلے گا؟''

''یہ بھی چلے گا....'' اس کی آنکھوں میں خوشی سے نمی آگئی۔

''ہوسکتا ہے میں تمہیں برداشت نہیں کرسکوں اور اپنی زندگی سے کبھی نکال باہر کروں...... یہ چلے گا؟''

''ضرور چلے گا اگر میں زندہ رہا تو....'' اس کے سارے وجود پر سیاہی پھیل گئی.... اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔

ماہ زیب شدید گھبراہٹ کا شکار ہوئی جیسے اسے لگا اس نے بہت بڑی غلطی کی اس سے یہ بات کہہ کر۔

اسے خدا حافظ کہہ کر وہ جا رہی تھی اور سڑک پر کھڑا وہ اسے دور ہوتے دیکھ رہا تھا...... وہ پشت دکھانے والوں میں سے نہیں تھا۔

ماہ زیب نے اپنے گھر والوں سے پہلے بات کی.... اس کی توقع کے عین مطابق اسے کافی کچھ سننے کو ملا.... پہلے سب نے اس کا مذاق اڑایا پھر اسے پاگل کہنے لگے.... ایک عرصے سے وہ اپنا الگ گھر لے کر رہ رہی تھی۔ وہ احمد کو اپنے ساتھ لے جا کر ماما، پاپا سے ملوالائی...... وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا اس کی کافی بے عزتی کی گئی..... اس نے احمد کے ساتھ اپنی منگنی کا اعلان کردیا تو اس کے خاندان والے چپ سے ہو گئے اگر وہ شادی بھی ایسے ہی کرے گی تو ان کے لیے ایک نئی مصیبت آجاتی...... وہ کس، کس کے سوالوں کے جواب دیتے۔

''تم اتنی پاگل ہو جاؤ گی مجھے اندازہ نہیں تھا۔'' پاپا ایک بار پھر اسے سمجھانے گھر آئے تھے۔

''میں جانتی ہوں، میں اس کے ساتھ مطمئن رہوں گی۔''

''زمان کتنی محبت کر رہا ہے تمہاری..... اپنی ضد چھوڑ دو۔''

''زمان! چانٹا مار کر گال سہلانے والا.... اب ایک اور چانٹا مارنا ہے مجھے؟''

''ہیرے پر کنکر کو ترجیح دے رہی ہو؟''

''میں نے وہ پتھر اتار پھینکا ہے جو زمان نے مجھے دیا تھا۔''

''زمان نہ سہی کسی اور سے......''

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے پاپا.... مجھے میرا فیصلہ آزما لینے دیں۔''

''گھاٹے میں رہو گی۔''

''ہمیشہ فائدے میں رہی ہوں، گھاٹے میں رہ کر بھی دیکھ لیتی ہوں۔''

''وہ تمہاری دولت کے لیے....''

''گھر میرے نام ہے.... بینک اکاؤنٹ بھی....''

''اس نے کیسے تمہیں اپنے دام میں پھنسالیا.... حیثیت کیا ہے اس کی.... اس کا گھر دیکھا ہے؟ ایک بار جا کر دیکھ تو آؤ۔''

''وہ مجھے لے گیا تھا اپنے گھر والوں سے ملوانے...... سادہ سے لوگ ہیں سبھی۔''

"اتنے ہی سادہ ہیں کہ تمہیں اپنے قابو میں کرلیا۔"

"میں نکاح کرنا چاہتی ہوں..... آپ مان جائیں..... ورنہ دو ہفتے بعد یہ کام ویسے بھی ہو ہی جائے گا۔"

وہ لب بھینچ کر رہ گئے۔

ایک ہفتے بعد ماہ زیب کے آبائی گھر اس کی بہنوں اور ان کے خاندان والوں کی موجودگی میں اس کا نکاح ہوگیا..... وہ لوگ میڈیا پر کوئی تنازع نہیں چاہتے تھے اس لیے اس کا نکاح اپنی موجودگی میں کروایا..... دل جلے صحافیوں نے اس نکاح پر کڑوے کسیلے ریویو لکھے۔ چند ہفتے انڈسٹری میں اسے خوب ڈسکس کیا جاتا رہا..... پھر ماہ زیب کے ساتھ احمد کو دیکھنے کے سب عادی ہو گئے۔

ماہ زیب کے خاندان والے اس سے ناراض تھے اور سب نے ماہ زیب سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ شانزے بھی اپنے نانا، نانی کے گھر تھی اسے اتنا معلوم تھا کہ اس کی ماما نے کسی گندے سے انسان کو اس کا باپ بنا دیا ہے۔ اس کی دوستوں نے بھی اس سے ایسی باتیں کہیں کہ اس نے کئی دن ٹھیک ٹھاک ہنگامہ برپا رکھا..... ماہ زیب نے اسے ہر طرح سے منانا چاہا لیکن وہ نہیں مانی..... پھر اسے اس نے نانا، نانی کے پاس ہی چند ہفتے رہنے دیا..... یہ اور برا ہوا..... اس کے ماموں اور خالاؤں نے اسے مکمل طور پر احمد سے باغی کر دیا۔

احمد نے اسے شادی پر چند لاکھ دیے تھے کہ وہ اپنی مرضی کا زیور بنوالے..... اس نے اپنے اکاؤنٹ کو اس کے ساتھ جوائنٹ کرلیا تھا۔ وہ لاکھوں نہیں کماتا تھا لیکن جتنے ہزار بھی کماتا تھا وہ لا کر ماہ زیب کو دیتا تھا۔ وہ ماہ زیب کے ساتھ اسی کے گھر میں رہ رہا تھا کیونکہ ماہ زیب اس کے ساتھ اس کے آبائی گھر میں نہیں رہ سکتی تھی۔

وہ اس کے ساتھ اس کی شوبز کی پارٹیز میں نہیں جاتا تھا کیونکہ ماہ زیب کو اب بھی لوگوں کے طنز سننے پڑتے کہ اس نے اپنی عمر سے چند سال چھوٹے اور ایک معمولی سے شخص کے ساتھ شادی کرلی تھی۔

ماہ زیب کو اس معمولی سے انسان نے فی الحال بڑے سکھ میں رکھا ہوا تھا۔ اس سے کوئی پوچھ پڑتال نہیں تھی، وہ کب آتی ہے کب جاتی ہے، وقت پر ڈنر کے لیے کیوں نہیں آتی۔ کوئی اس پر چیخ چلا نہیں سکتا تھا۔ احمد صبح جلدی اٹھتا۔ اپنی نگرانی میں گھر کی صفائی کرواتا..... ماہ زیب کے لیے صحت بخش ناشتے کی تیاری مکمل کروا کر آفس چلا جاتا، شام کو گھر آ کر وہ رات کے کھانے کی تیاری دیکھتا..... اور پھر اپنی موٹر سائیکل پر ماہ زیب کے سیٹ پر پہنچ جاتا..... وہ رات کو ایک بجے فارغ ہوتی یا دو بجے وہ سیٹ پر ہی موجود ہوتا..... وہ اسے اسکرپٹ یاد کرواتا..... گھر سے اس کے لیے جو اسنیکس وغیرہ بنوا کر لے گیا ہوتا اسے کھانے کے لیے دیتا رہتا..... سیٹ پر موجود لوگ پہلے اس کا مذاق اڑاتے تھے پھر وہ اس کی عزت کرنے لگے..... ماہ زیب کے ساتھی پہلے اسے طنزیہ اور تمسخرانہ نظروں سے دیکھتے تھے..... پھر وہ جیسے اس کے جذبۂ محبت کے مداح ہونے لگے..... ایک ساتھی اداکارہ جو احمد سے اس کی شادی کے حوالے سے کئی طنز کر چکی تھی ایک دن رشک سے اسے دیکھنے لگی۔

"پہلے مجھے لگا..کرتا تھا کہ تم صرف شہرت کے اعتبار سے خوش قسمت ہو..... تم جس سیریل میں کام کرتی ہو وہ سپر ہٹ ہوتا ہے..... اب مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ تم زندگی کے ہر معاملے میں خوش قسمت ترین ہو..... میرا شوہر میری اداکاری کو اپنی جوتی کی نوک پر رکھتا ہے اور رات کے اس وقت وہ مزے سے اپنے بیڈ پر سو رہا ہوگا یہ جانے بغیر کہ اس کی بیوی اس وقت شہر کے کس حصے میں کیا کر رہی

ہے...... اور یہ احمد...... یہ کیسے تمہارے ساتھ، ساتھ رہتا ہے، کیا یہ نہیں تھکتا......؟ کیا اسے نیند نہیں آتی...... کیا اسے آرام پیارا نہیں؟"

ماہ زیب نے کیمرے کے پیچھے کرسی پر بیٹھے احمد کو دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ اس کا فیصلہ غلط نہیں تھا۔

اگر وہ تھکی ہوتی تو وہ اس کے پیر بھی دبا دیتا...... نیم گرم پانی کا ٹب لاتا اور اسے پیر ڈبونے کے لیے کہتا...... اپنی نگرانی میں وہ ماہ زیب کے سارے کام خود کرتا بھی اور کرواتا بھی...... اس کی وارڈ روب ٹھیک کرتا...... اس کے جوتے اٹھا کر رکھتا...... جو جیولری وہ آتے ہی اتار کر پھینک دیتی اسے سلیقے سے سمیٹتا...... اس کا تکیہ دیکھتا کہ کیا وہ ہمیشہ کی طرح نرم ہے...... یا اسے تبدیل کیا جانا چاہیے...... اپنی نگرانی میں اس کے لیے کھانے بنواتا۔

ماہ زیب مکمل طور پر گھر سے انجان ہوگئی...... گھر مکمل طور پر احمد نے سنبھال لیا تھا...... ملازموں کے مسائل...... بلز...... گروسری...... سب کچھ۔

ماہ زیب کو کام کرنے کے لیے ایک مکمل فیز مل گیا...... گھر آتے ہی وہ سو جاتی اور جب وہ سوئی ہوتی احمد کسی ملازم کو اس کے کمرے کے باہر سے گزرنے تک نہ دیتا کہ مبادا وہ قدموں کی آہٹ سے اٹھ جائے۔

شانزے گھر آچکی تھی اور وہ اکثر کوئی نہ کوئی ہنگامہ کرتی تھی وہ احمد کو برا بھلا کہتی اس پر چیزیں اٹھا، اٹھا کر پھینکتی...... اس نے کئی بار اس پر گرم دودھ بھی پھینکا اور یہ سب باتیں ماہ زیب کو ملازموں سے معلوم ہوتی تھیں۔

"شانزے بچی ہے احمد وہ سمجھ جائے گی، میں اس کی طرف سے سوری کرتی ہوں تم سے۔"

"وہ میری بھی بیٹی ہے...... تم سوری کر کے یہ ثابت مت کرو کہ وہ صرف تمہاری ہی بیٹی ہے۔"

احمد نے لاکھ طریقے آزمائے لیکن شانزے اسے برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ اسے گندا آدمی کہا کرتی۔ برا بھلا کہتی، وہ سمجھتی تھی کہ وہ ٹھیک کر رہی ہے، ماہ زیب نے اسے کئی بار سمجھایا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

لیکن شانزے نے احمد کی زندگی اجیرن کیے رکھی...... ماہ زیب گھر ہوتی تو وہ کم ہنگامہ کرتی ورنہ بہانے، بہانے سے احمد کو زچ کیے رکھتی۔ اس کے لاکھ شور مچانے پر بھی وہی اسے اسکول ڈراپ کرتا اور لے کر آتا، مرد ملازموں کو سختی سے منع تھا کہ وہ گھر کے اندر نہیں جائیں گے۔ ایک کل وقتی ملازمہ شانزے کے آس پاس ہی رہتی...... شانزے اسے باپ نہیں سمجھتی لیکن وہ اسے بیٹی ہی مانتا تھا۔

ایک سال کے اندر، اندر ماہ زیب کے بہن، بھائی اور والدین کسی نہ کسی طرح احمد سے متاثر ہونے لگے تھے، ان تک احمد کے متعلق اچھی خبریں پہنچی تھیں۔ احمد کے آبائی گھر کے دو بھائیوں اور ایک بہن میں حصے ہوئے تو اس نے اپنے حصے کے چند لاکھ بھی ماہ زیب کو دے دیے۔ شادی کی سالگرہ کے تحفے کے لیے اس نے اوور ٹائم کیا تھا...... اور اس نے ایک بیش قیمت ساڑی اور پرفیوم... ماہ زیب کو گفٹ کیا تھا۔

ڈائریکٹرز اور پروڈیوسرز کو اب ماہ زیب کے بجائے احمد سے رابطہ کرنا ہوتا تھا کہ وہ اسے اسکرپٹ بھیج دیتے تھے، گھر آکر اس سے مل لیتے تھے وہ پوری توجہ سے ان کے پراجیکٹ کے بارے میں سنتا ایک، ایک تفصیل پوچھتا...... اور اگر اسے پراجیکٹ کسی قابل لگتا تو وہ ماہ زیب کو بتا دیتا...... اس کا اس معاملے میں تجربہ اتنا وسیع تھا کہ وہ ماہ زیب کو بتا دیتا کہ وہ کون سا ڈراما کمرشلی بنیاد پر کتنا کامیاب ہوگا اور کون سا صرف ناقدین میں...... آنے والے وقت

میں ماہ زیب صرف اس سے اتنا پوچھتی۔ "کروں یا نہیں....؟"

وہ کہہ دیتا..... کرلو..... یار سک ہے..... زیادہ پاپولر نہیں ہوگا؟ اور ماہ زیب اس کی رائے کے ساتھ ہی چلتی۔ پروڈیوسرز کو صرف احمد کو قائل کرنا ہوتا۔

احمد کو اس کے ہر پراجیکٹ کی ہر تفصیل ازبر ہوتی، تاریخیں یاد رہتیں، وہ اخبارات، میگزینز میں اس پر آنے والی خبریں اور تبصرے کاٹ، کاٹ کر ان کا البم بناتا رہتا اور فارغ وقت میں انہیں لے کر بیٹھ جاتا..... وہ ماہ زیب سے ملنے آنے والے صحافیوں، انڈسٹری کے دوسرے لوگوں کی باکمال میزبانی کرتا..... اس نے ماہ زیب کی زندگی اتنی سہل بنا دی کہ ماہ زیب کو لگتا وہ صرف دنیا میں راج کرنے آئی ہے بنا کسی دقت کے۔

اس کے ماں، باپ، بہن، بھائی گھر آنے لگے تھے، وہ احمد کو پسند کرنے لگے تھے۔ ماہ زیب کے پاپا نے چاہا کہ احمد کو کوئی کاروبار کروادیں یا کسی اچھی پوسٹ پر کسی کمپنی میں رکھوادیں لیکن اس نے انکار کردیا۔

جویریہ کے شوہر نے اس بڑھاپے میں بھی دوسری شادی کرلی تھی اور وہ ماہ زیب کو بتاتی تھی کہ زندگی میں ایک وفادار انسان کی ضرورت کس قدر شدید ہے۔

ماہ زیب کو ہنسی آتی تھی جب وہ ساتھی اداکاروں کے شوہروں کے افیئرز کی خبریں پڑھتی.... اسے ایسا کوئی ڈر تھا نہ تشویش..... احمد نہ اس کی دولت کے پیچھے تھا نہ اس کی شہرت کے..... اس کی دولت کا وہ رکھوالا تھا اور شہرت پر خوش..... اپنے اخراجات وہ خود پورے کرتا تھا..... اپنے آفس بھی وہ اپنی موٹر سائیکل پر ہی جاتا تھا۔ ماہ زیب نے اسے اس کی سالگرہ پر کار گفٹ کی تھی پر وہ گھر کے پورچ میں ہی کھڑی تھی اور مہینے میں ایک، دوبار جب وہ ڈنر کے لیے جاتے وہ اسے تب ڈرائیو کرتا۔

اس کے بارے میں سوچے گئے سب خیالات غلط نکلے..... کیے گئے سب دعوے جھوٹے نکلے.....

اسے صرف ماہ زیب چاہیے تھی..... اور اس کے ساتھ گزاری جانے والی وہ زندگی چاہیے تھی جو اسے مل گئی۔

اب بھی اگر وہ چیزوں سے جیب بھرتا تو خالی دل رہ جاتا۔

☆☆☆

اے لیول کے بعد شانزے امریکا چلی گئی مزید تعلیم حاصل کرنے..... اس دورانیے میں ان کی زندگی ذرا زیادہ پرسکون ہوگئی۔ احمد کی پروموشن ہوگئی تھی اور اس کی پے بڑھ گئی۔

ماہ زیب نے تین آرٹ موویز بھی کرلیں جس پر اس کی شہرت ملک سے باہر جا پہنچی..... وہ پہلے سے زیادہ مصروف ہوگئی۔ اس کے غیر ملکی دورے بڑھ گئے..... جب وہ بیرونِ ملک جاتی احمد کی جیسے مٹھی میں جان رہتی۔ اسے یہی فکر ستائے رکھتی کہ وہاں اس کا خیال کون رکھے گا۔ وہ اس کا سامان پیک کرتا اور اس کا وہ تکیہ ضرور سامان میں رکھتا جس کے بغیر اس کا سر دُکھنے لگتا تھا۔

ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ ملک سے باہر ہو اور اس نے اسے فون کرکے کہا ہو کہ اس کی فلاں چیز تو سامان میں آئی ہی نہیں۔

وہ اکثر اسے ساتھ چلنے کے لیے کہتی تھی پر وہ صرف اپنے خرچ پر جانا چاہتا تھا اور اپنے خرچ پر وہ صرف دو بار اس کے ساتھ دبئی جاسکا تھا۔

وہ ایک باکمال شخص تھا۔

وہ ایک شاندار ساتھی تھا۔

مہینے میں ایک دن ماہ زیب کے سب گھر والے ان کے ساتھ ڈنر کرتے اور احمد کے گھر والے بھی آجاتے..... وہ ایک اچھا میزبان تھا اور سب کو

خوش رکھنا جانتا تھا۔

اتنے سارے خوش باش افراد میں صرف شانزے ہی تھی جو اب بھی ویسی ہی تھی...... وہ جب، جب پاکستان آتی احمد کی زندگی جہنم بنا دیتی۔

شانزے نے اپنے کلاس فیلو افراسیاب سے منگنی کر لی تھی۔ اور عین منگنی کے فنکشن کے دوران اس نے ہزاروں افراد کی موجودگی میں احمد کو وہاں سے چلے جانے کے لیے کہا...... وہ خاموشی سے چلا گیا اور جب اگلے دن آیا تو جیسے بھول ہی چکا تھا کہ کل رات کچھ ہوا تھا۔ پھر شانزے تعلیم سے فارغ ہو کر آ گئی اور اس کی شادی کی تیاریاں کی جانے لگیں...... اور اس کے ساتھ ہی آئے دن نئے سے نئے واقعات ہوتے۔

"آپ کے شوہر نے مجھ پر چائے گرا دی ہے......" ایک دن وہ اس کے پاس اپنا جلا ہوا ہاتھ لے کر آئی۔

"تم ایسی بچکانہ حرکتوں پر بھی اتر آئی ہو۔"

"یہی کہا تھا.. مسٹر احمد نے---- کہ کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا...اور دیکھیں یہی ہوا ہے...... انہوں نے مجھے جلا دیا۔" وہ رو دی تھی۔

اگلی بار وہ پھر آئی اس نے کہا کہ "احمد نے اس کا گلا دبانے کی کوشش کی تھی۔" شانزے... پھر بری طرح سے رو رہی تھی اور یہی کہہ رہی تھی کہ وہ جانتی ہے اس کی بات کا یقین نہیں کیا جائے گا اسی لیے وہ یہ سب کر رہا ہے۔

اگلی بار اس نے کہا کہ احمد نے اسے سیڑھیوں سے دھکا دیا ہے...... گھر کے ملازموں نے اسے سیڑھیوں کے پاس بے ہوش گرے پڑے دیکھا تھا اور اس کی پیشانی سے خون نکل رہا تھا جبکہ احمد گھر کی مرمت کا تھوڑا بہت کام کروا رہا تھا۔

افراسیاب کو خبر ہوئی تو اس نے احمد کا آ کر گریبان پکڑ لیا...... شانزے بار، بار ہوش میں آتی اور بے ہوش ہو جاتی...... اس کی حالت تشویش ناک تھی...... وہ کومے میں تھی، سر پر گہری چوٹ آئی تھی۔

"سچ بتاؤ احمد یہ سب تم نے کیا ہے؟"

احمد دنگ اسے دیکھے گیا۔

"ماہ زیب تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟"

"انسان کا کیا اعتبار ہے احمد، وہ کبھی بھی بدل سکتا ہے۔"

"میں عام انسان نہیں، احمد ہوں...... تمہارا شوہر، شانزے کا باپ......"

"نہ وہ تمہیں اپنا باپ سمجھتی ہے، نہ تم اس کے باپ ہو۔"

"اور تم...... تم کیا سمجھتی ہو؟" اسے ایک شاک لگا۔

"میں صرف اتنا جانتی ہوں احمد کہ اگر تم اس بھی غصہ یا اس کی حرکتوں سے نالاں ہو تو ایسے...... دیکھو وہ کیسے مر مر کر بچی ہے۔"

وہ ایسے سُن سا ہو گیا جیسے اس میں کبھی زندگی دوڑی ہی نہیں تھی۔

"کیا میں ایسا کر سکتا ہوں؟"

"دیکھو میں جانتی ہوں کہ شانزے نے ہمیشہ تمہیں پریشان کیا اور تم نے اسے برداشت کیا.... بلکہ اگنور کیا......"

"ماہ زیب تم یہ سب چھوڑ دو.... تم یہ بتاؤ کیا میں یہ سب کر سکتا ہوں؟"

"غصے میں انسان شاید......"

"غصے میں، میں اسے نقصان پہنچا سکتا ہوں...... میں......؟"

"اس کے سر پر چوٹ آئی ہے، اس کا خون نکلا ہے...... وہ خود سے تو اپنے آپ کو نہیں گرا سکتی ناں...... اس میں میری جان ہے احمد...... وہ نشانی ہے میرے پاس حارب کی...... تم ایسا کیسے کر سکتے ہو

اس کے ساتھ......" ماہ زیب بولتی رہی اور وہ کھڑا سنتا رہا۔

"ہاں میں نے ہی اسے گرایا تھا ماہ زیب۔" یہ آخری بات اس نے کی اور وہ چلا گیا...... بارہ سالوں میں پہلی بار اس نے گھر سے باہر رات گزاری--- ماہ زیب پھر سے شانزے کے پاس گئی اس سے پوچھا---- اس کا بھی کہنا تھا کہ احمد نے ہی اسے دھکا دیا تھا۔ وہ رو، رو کر یہی کہتی رہی کہ احمد اسے مار ڈالے گا۔

ایک ہفتے کے اندر، اندر احمد نے اسے اپنے باہر جانے کا عندیہ دے دیا۔ اس کا پروڈکشن ہاؤس اسے کافی عرصے سے چند کورسز کے لیے لندن بھیجنا چاہ رہا تھا لیکن وہ نہیں گیا تھا اور اب وہ جا رہا تھا۔ وہ جا رہا تھا۔

ایک سرد سی لہر ماہ زیب کے اندر دوڑ گئی۔

"تو یہ بھی جا رہا ہے---- اتنا کچھ کر کے...... خود ہی جا رہا ہے......"

وہ اسپتال گیا...... اس نے شانزے سے معافی مانگی تھی۔ شانزے نے چیخنا، چلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ خاموشی سے واپس پلٹ گیا اور ایک ہفتے بعد وہ چلا گیا۔

شانزے گھر آئی اپنی شادی کی تیاریاں کرنے لگی۔

احمد روز ماہ زیب کو فون کرتا...... لیکن ماہ زیب اتنی سرد مہر ہوتی ہو گئی کہ احمد کو اپنی فون کالز کے دورانیے کم کرنے پڑتے۔

ماہ زیب جو اب تک اپنی پوجا کرواتی رہی تھی کی انا کو ٹھیس لگی تھی۔ کوئی اسے پشت دکھا کر کیسے جا سکتا ہے۔

وہ جو کہتا ہے کہ وہ تمہارے بغیر مر جائے گا......

پھر بھی وہ زندہ ہے، پھر وہ مرتا کیوں نہیں......؟ مر کر دکھائے ناں......

عید پر گرنا

روپیہ چاہے کتنا ہی گر جائے مگر اتنا نہیں گر سکتا جتنا کہ ایک انسان اندھا دھند حاصل کرنے کے لیے گر جاتا ہے اور عید کے موقع پر زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے کتنے لوگ کہاں تک گر جاتے ہیں اس کا انہیں شاید اندازہ تک نہیں ہوتا۔

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

کھٹا میٹھا

بیوی۔ "آج کوئی ایسی بات کہو کہ میں خوش بھی ہو جاؤں اور جل بھی جاؤں۔"

شوہر۔ "تم میری زندگی ہو اور......"

بیوی۔ "اور......اور کیا؟"

شوہر۔ "اور لعنت ہے ایسی زندگی پر۔"

التجا

اے خوش رہنے والے لوگو!
خوشیوں کی سوغات سے ہم کو
تھوڑا سا کچھ دان کرو گے

مرسلہ: ارم کمال، فیصل آباد

عید آئی ہے

ہاتھوں میں مہندی
ماتھے پہ بندیا لگائی ہے
سنو سکھی عید آئی ہے
بڑھی ہے آنکھوں کی نمی میری
اور یاد بھی کسی کی آئی ہے
سنو سکھی عید آئی ہے

شاعرہ: شنا جالا، بھلوال

عورت کے لبادے میں چھپے سنگدل دیوتا نے سوچا کہ اگر بھینٹ جان کی تھی تو یہ بھینٹ دی کیوں نہیں جاتی...... دی کیوں نہیں گئی اب تک۔ وہ عورت جس سے محبت ہی کی گئی تھی اور بے تحاشا کی گئی تھی، جس کے پیچھے بھاگا گیا تھا...... جس کی منت کی گئی تھی۔ اس عورت کو اب یہ گوارا نہیں تھا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

کوئی منت...... کوئی ساجت نہیں...... وہ ہاتھ جوڑے بنا...... پیچھے بھاگے بنا کیسے چلا گیا۔

محبت کے حاصل جمع پر وہ لکیر کیوں پھیر گیا؟

بہت کیوں اور کیسے تھے ماہ زیب کے اندر......

اس نے اس شخص کو جو اس کے بغیر رہنا نہیں جانتا تھا کو اپنے بغیر رہنے کی سزا دی...... اس نے اس کے فون سننے بند کر دیے۔

وہ پھر بھی فون کرتا رہا...... وہ اس کے ماں، باپ سے اس کا حال احوال پوچھتا رہا...... گھر کے ملازموں کو ہدایات دیتا رہا...... باہر بیٹھ کر بھی اس نے گھر سنبھالا ہوا تھا...... ماہ زیب اسے ناپسند کرنے لگی...... اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ اب وہ اسے پسند کیونکر کرے۔

اتنے سال وہ اس سے محبت کرتا رہا تھا۔

ماہ زیب نہیں...... ایک رائٹ پرسن کو زندگی میں لا کر اس نے اپنی زندگی رائٹ بنائی تھی...... اسے عادت ہو گئی تھی ''خالص محبت......'' وصول کرنے کی...... صرف وصول کرنے کی...... وہ اس دیس کی باسی تھی جہاں دونوں ہاتھ لینے کے لیے پھیلائے جاتے ہیں...... وہ بھی دان دینے کے لیے نہیں اٹھتے۔

احمد ایک سال اس سے دور رہا...... اس کے کورسز ختم ہونے میں نہیں آ رہے تھے...... ماہ زیب نے پلٹ کر اسے ایک فون کال نہ کی کہ آ جاؤ۔

''مجھے اب بھی یقین ہے کہ شانزے جھوٹ بول رہی تھی۔'' اس کے پاپا اس سے کہتے۔

''دو مہینے اسپتال رہی ہے وہ...... تین بار کومہ میں گئی ہے...... کیسے جھوٹ بول سکتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے وہ خود گری ہو...... الزام احمد پر لگا دیا ہو۔''

''احمد کو اس پر غصہ بھی ہو سکتا ہے، آپ یہ کیوں نہیں سوچتے......؟''

''احمد کے بارے میں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''اسی لیے اس نے ایسا کیا کہ کوئی بھی اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکے گا...... اور اس نے اپنے منہ سے اعتراف بھی کر لیا تھا۔''

''میں اندازہ کر سکتا ہوں اس نے کیوں اعتراف کیا...... ہمیشہ تمہیں ٹھیک کہنے والے نے تمہیں غلط کہنا مناسب نہیں سمجھا...... قتل کا الزام بھی تم لگاتیں تو وہ اعتراف کر لیتا۔''

اس کی امریکا میں شوٹنگ تھی اور وہ شانزے کے پاس ٹھہری ہوئی تھی۔ شوٹنگ نیو یارک میں تھی اور شانزے کیلی فورنیا...... وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر بھی اس کی طرف رہنے آ گئی۔

وہ آئی تو اسے معلوم ہوا کہ افراسیاب ملک سے باہر ہے۔ شانزے کو اس حالت میں چھوڑ کر وہ کیسے جا سکتا ہے۔

''وہ جانا نہیں چاہ رہا تھا لیکن میں نے ہی کہا تھا کہ چلے جاؤ۔'' وہ شرمندہ سی بولی۔

''یہ تم نے غلط کیا...... اور تم نے کہہ بھی دیا تھا تو اسے جانا نہیں چاہیے تھا۔ اسے احساس ہونا چاہیے کہ تم اس حالت میں اکیلی نہیں رہ سکتیں۔ اور تم نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ افراسیاب ایسا مصروف ہے میں اپنا کنٹریکٹ نہ سائن کرتی اور تمہارے پاس آ جاتی۔''

شانزے خاموش رہی...... اگلے دو دن وہ

ایسے ہی خاموش، خاموش سی رہی..... پہلے سی شانزے کہیں کھوگئی۔

"افراسیاب کا فون کب آتا ہے؟"

"وہ رات میں کرتا ہے مجھے......"

"رات میں کس وقت.....؟"

"کل رات بھی آیا تھا آپ سو رہی تھیں۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو..... مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے..... تم دونوں میں لڑائی ہوئی ہے کیا.....؟"

"نہیں..... ہم میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔"

"اس نے مجھے بھی فون نہیں کیا، نہ ہی میرا فون اٹھا رہا ہے۔"

"ماما وہ بزی ہوتا ہے۔"

"اس کے گھر والے بھی تو اسی شہر میں ہوتے ہیں، وہ ان میں سے کسی ایک کو تمہارے پاس کیوں نہیں چھوڑ گیا..... میں تو مطمئن تھی کہ تمہاری ساری سسرال یہاں ہے..... اور تم یوں اکیلی..... اگر کوئی اختلاف ہے تمہارے درمیان تو بتاؤ..... میں بات کرتی ہوں افراسیاب سے۔"

"کوئی اختلاف نہیں ہے ہمارے درمیان وہ مجھے بہت پیار کرتا ہے، میرا بہت خیال رکھتا ہے بالکل مسٹر احمد کی طرح....."

ماہ زیب شاکڈ سی ہوئی، اپنی بیٹی کا منہ دیکھنے لگی..... اس نے احمد کا نام لیا تھا..... وہ احمد کی خوبی بیان کررہی تھی۔ اور پھر وہ ہاتھوں میں منہ رکھ کر رونے لگی..... روتی ہی رہی.....

"ماما! میری قسمت آپ جیسی کیوں نہیں..... میرا مسٹر آپ کے مسٹر جیسا کیوں نہیں....." وہ ایک دم چیخی۔

ماہ زیب کے وجود پر جیسے گرم، گرم سیال گرا۔

"میں نے افراسیاب کا انتخاب کیا تھا..... صرف اس لیے کہ وہ آپ کے شوہر کی طرح لگتا تھا مجھے..... خیال رکھنے والا..... محبت کرنے والا..... اختلاف رکھتے ہوئے بھی تکرار نہ کرنے والا..... ٹھیک ہو کر بھی خود کو غلط مان لینے والا..... میرا مسٹر آپ کے مسٹر جیسا کیوں نہیں۔ وہ شادی سے پہلے تو مسٹر احمد جیسا تھا، شادی کے بعد وہ مسٹر احمد جیسا کیوں نہیں رہا۔" وہ رو رہی تھی اس کا زیاں ہوا تھا، کیوں نہ روتی..... گرم سیال نے دیوی کا بت توڑ ڈالا..... اندر ایک دل دھڑکنے لگا..... وہ ششدر اپنی بیٹی کو دیکھے گئی۔ اس کی بیٹی کا آئیڈیل احمد تھا..... اسے احمد جیسے مرد چاہیے تھا۔

"ٹھیک ہو کر بھی خود کو غلط مان لینے والا۔"

"میں پورے ایک مہینے سے یہاں اکیلی ہوں ماما..... سارے کام کرتی ہوں..... مارکیٹ جاتی ہوں..... مجھے اس حالت میں چھوڑ کر افراسیاب آسٹریلیا چلا گیا، اس کے گھر والے بھی ناراض ہیں۔ کہتے ہیں میں افراسیاب کا خیال نہیں رکھتی..... ماما یہ دیکھیے میرے پیر..... یہ بہت درد کرتے ہیں..... یاد ہے مسٹر احمد آپ کے پیروں کا مساج کیا کرتے تھے..... اور وہ آپ کا تکیہ جو وہ ہمیشہ باہر کے ٹورز میں آپ کے سامان میں پیک کیا کرتے تھے۔ ماما میں نے ایک رات افراسیاب کو اٹھا کر کہا کہ وہ دوسرے بیڈ روم سے مجھے دو تکیے لا دیں۔ میری کمر میں درد ہے۔ میں انہیں کمر کے پیچھے رکھنا چاہتی ہوں تو جانتی ہیں اس نے کیا کہا..... اس نے کہا میں اپنی ہائے ہائے سے اسے ڈسٹرب کررہی ہوں اور میں دوسرے بیڈ روم میں جا کر سوؤں....." وہ بلک رہی تھی۔

"ماما! میں ساری، ساری رات جاگتی رہتی تھی، مجھے متلی ہوتی تھی اور افراسیاب مزے سے سوتا رہتا تھا۔ وہ اٹھ کر مجھے ایک گلاس پانی تک نہیں پلاتا تھا..... الٹا وہ مجھ پر آ کر چلاتا تھا کہ میں نے کھانا کیوں نہیں پکایا..... بیڈ روم ٹھیک سے صاف کیوں نہیں کیا۔ ماما اس نے مجھے دھوکا دیا..... وہ جھوٹا

ہے۔ اس کے سارے وعدے جھوٹے نکلے...... وہ مسٹر احمد جیسا بالکل نہیں ہے۔ میں نے اس کی منت کی کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ جائے تو وہ بھڑک اٹھا...... وہ بلاوجہ بات، بات پر بھڑک اٹھتا ہے۔ ہفتوں ناراض رہتا ہے...... ہر بار میں ہی اسے مناتی ہوں...... میں اسے آسٹریلیا فون کرتی ہوں اور وہ فون ہی نہیں اٹھاتا..... ماما، میری قسمت آپ جیسی کیوں نہیں..... آپ میں ایسا کیا ہے کہ آپ کو مسٹر احمد ملے..... مجھ میں کیا کمی ہے کہ مجھے افراسیاب ملا......؟"

ماہ زیب کو سمجھ آ گئی تھی کہ شانزے اتنی کمزور کیوں ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں اندر ہی اندر کیوں گڑتی جا رہی تھیں..... شانزے احمد کو سوتیلے باپ کی حیثیت سے سخت ناپسند کرتی تھی لیکن اپنی ماں کے شوہر کی حیثیت سے وہ اسے ہی آئیڈیالائز کرتی تھی..... وہ احمد جیسے شوہر کو ڈھونڈ تی رہی اور.....

ماہ زیب نے خود اسے اپنے ہاتھوں کھو دیا۔

"مجھے آپ کے مسٹر کی بددعا لگ گئی ہے۔ ہاں انہی کی لگی ہے۔"

"وہ تم سے بہت پیار کرتے ہیں شانزے۔"

"لیکن میں نے ان کے ساتھ کیا، کیا......

میں نے بہت ہمت کی کہ آپ کو فون کر کے بتادوں لیکن ماما...... میرے جیسی لڑکیاں اگر جلد شرمندہ ہو بھی جائیں تو اعتراف نہیں کرتیں...... میرے جیسی باغی، فانی لڑکیاں دنیا کو اپنی ٹھوکروں پر رکھنے والی غلطی کا اعتراف ایکسیڈنس دیکھ کر کرتی ہیں...... سیڑھیوں سے میرا پیر پھسل گیا تھا اور ہوش میں آتے ہی میں نے آپ کے مسٹر کا نام لے دیا تھا۔ انہوں نے مجھے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا...... میں اندر ہی اندر ان سے بہت حسد کرتی تھی اور آپ سے بھی...... میں چاہتی تھی کہ آپ الگ ہو جائیں......"

اب ماہ زیب، شانزے کی شکل دیکھنے لگی۔ اس کی بیٹی احمد جیسا نہ ملنے پر دکھی تھی، رو رہی تھی اور وہ احمد کو کھو کر سکھی تھی۔

ماہ زیب کے دل میں ٹیس کی ایک تیز لہر اٹھی...... اتنے سالوں میں اس نے احمد کو صرف پسند کیا تھا جیسے کسی اچھے وفادار ملازم کو کیا جاتا ہے، وہی ملازم کہیں دور چلا جائے تو اسے یاد بھی کیا جاتا ہے تو صرف کام کے لیے وفاداری کے لیے اور بس......

بیٹھے، بیٹھے ماہ زیب چور چور ہو کر زمیں بوس ہو گئی۔

"یہ پریم ریت ہے...... خالی پلٹ آنے پر یہ صدائیں مردہ ہونے لگتی ہیں...... پیا من کا دیا پریم روگ...... کی لو دینے لگتا ہے۔

پی پی...... پیا پیا......

ماہ زیب کھڑکی کے پاس رات کے آخری پہر کھڑی تھی اب وہ داسی بنی ہے...... اب اس نے اپنا بت توڑا ہے۔ اب اس کا وجود وہ بانسری بنا ہے جو پیا، پیا کے سُر بکھیرتا ہے۔ صبح ہوتے ہی اس نے شانزے کو آگاہ کیا۔

"میں لندن جا رہی ہوں..... احمد کو ساتھ لے کر آؤں گی۔" اور جب رات اس نے احمد کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی اور احمد باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ تو برسوں کا مریض ہے جسے وہ دیکھ رہی ہے وہ اس کا احمد تو نہیں......

اس پر نظر پڑتے ہی احمد کے وجود میں دم توڑتے بجھی پیا نام کے دیے جل اٹھے۔

"تم آ گئیں......؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ہاں..... اب بھی نہ آتی تو مر جاتی......" وہ رونے لگی تھی۔